ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.4 (2024)
(October to December)

# مجلہ "قومی زبان" کی اقبال شناسی کا ایک جائزہ

## (جنوری ۲۰۰۱ء تا ۲۰۱۸ء)

## The Magazine "Qaumi Zaban" in Appreciation of Iqbal's Tradition (Since 2001 to 2018)

محمد اعظم
شعبہ اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Muhammad Azam
Department of Urdu, National University of Modern Languages, Islamabad

**Abstract:**
During the life of Allama Iqbal, his poems and thoughts were published in contemporary magazines and newspapers. This tradition, which began with "Makhzan", is still continue in countless magazines and journals around the world. Hakim Yusuf Hassan published the first Iqbal number in 1932 before Nerang Khayal. He is considered as a Pakistani national poet. His thoughts and ideas are published in Pakistani newspapers, magazines and journals. The "Qomi Zaban" magazine of Anjuman-e-Tarqi Urdu has maintained a very strong tradition of Iqbal Studies. Since January 2000 to December 2018, a total of 203 articles on Allama Iqbal's thoughts have been published. There is a tradition of printing in which articles of renowned researchers and critics of the country and world. The proliferation of articles by confessional experts suggests that Anjuman-e-Tarqi Urdu is not only aware of the importance of Allama Iqbal's thought but also gives it priority. In publishing critical articles on Allama Iqbal, he not only showed generosity but was also in the forefront in publishing special issues. Its editors always gave priority to Iqbal's Thoughts.

**Keywords:** 21st century, changing times, national songs, experiments, public sphere, electronic media, martyrs of Pakistan

علامہ اقبال کی زندگی میں ہی ان کی نظمیں اور افکار ان کے معاصر مجلات اور اخبارات میں شائع ہوا کرتے تھے۔ "مخزن" سے شروع ہونے والی یہ روایت آج تک دنیا کے بے شمار مجلات اور رسالوں میں جاری وساری ہے۔ حکیم یوسف حسن نے ۱۹۳۲ء میں نیرنگِ خیال سے پہلا اقبال نمبر شائع کیا۔ پاکستانی تو انھیں قومی شاعر مانتے ہیں۔ ان کے افکار اور نظریات پاکستانی اخبارات، مجلات اور رسائل میں آئے دن چھپتے رہتے ہیں۔ مجلہ "قومی زبان" جس کا بنیادی مقصد اردو زبان کی ترسیل وترویج تھا، نے فکرِ اقبال کی ترسیل وترویج میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ روشن آرا راؤ اپنی کتاب "مجلاتی صحافت کے ادارتی مسائل" میں انجمن ترقی اردو کے مقاصد کے بارے میں لکھتی ہیں:

> "انجمن ترقی اردو کا بنیادی مقصد اردو زبان کی ترقی اور ترویج تھا۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے انجمن نے سہ ماہی مجلہ "اُردو" اورنگ آباد دکن سے ۱۹۲۱ء میں جاری کیا۔ اس میں اعلیٰ پائے کے علمی

اور تحقیقی مضامین شائع ہوا کرتے تھے اور ساتھ اور ساتھ انجمن کی سرگرمیوں کو بھی ضبط تحریر میں لایا جاتا تھا۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق اس کے مدیر تھے اور تاحیات اس کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے "(۱)

انجمن ترقی اردو اپنے قیام سے ہی اردو کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ مولوی عبدالحق نے اردو زبان کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے ساتھ ہی انجمنِ ترقی اردو مولوی عبدالحق کے ساتھ ہی کراچی منتقل ہو گئی۔ کراچی میں اردو کی ترویج کے لیے ہندوستان کی نسبت حالات زیادہ ساز گار تھے۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد انجمن ترقی اردو بھی پاکستان میں منتقل ہو گئی۔ چونکہ پاکستان کا دار لحکومت کراچی تھا تو انجمن نے بھی اپنا دفتر کراچی میں بنایا۔ یکم جون ۱۹۴۸ء کو اس نے اپنا رسالہ "قومی زبان" ایک ہفت روزہ کے نام سے جاری کیا۔ اس کا بنیادی مقصد اردو کی ترویج اور اشاعت تھا۔ چنانچہ ہفت روزہ کی حیثیت سے اسے ایک ادبی رسالہ کے بجائے اخباری نوعیت کے فرائض انجام دینا پڑے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا سائز تو قائم رکھا گیا لیکن اشاعت پندرہ روزہ کر دی گئی۔ لہٰذا یکم جولائی کو پندرہ روزہ "قومی زبان" رسالہ سائز میں چھپنے لگا۔ اس میں ادبی مضامین کے لیے بھی جگہ مختص کر دی گئی "(۲)

ہر رسالے کا کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اس کے مقاصد کے بارے میں اس کے مدیر جمیل الدین عالی لکھتے ہیں: انجمن ترقی اردو پاکستان اپنے قیام سے علمی اور ادبی خدمات انجام دے رہی ہے۔ البتہ تعلیمی خدمات سے عملی طور پر لا تعلق ہو چکی ہے اور انجمن ترقی اردو ادب کے کالج وفاقی حکومت کی تحویل میں ہیں۔ اسی طرح قومی زبان اردو کی اشاعت اور ترویج کی ذمہ داری بھی انجمن سے منتقل ہو کر دوسرے اداروں کو سونپی جا چکی ہے۔ "قومی زبان" جو کہ پندرہ روزہ رسالہ تھا اور انجمن کی کاوشوں کی ترویج کا علمبردار تھا۔ اب وہ ماہنامہ ادبی رسالہ ہے۔ اور اردو ادب کی ترویج اور ترقی میں سرگرم ہے۔ یہ رسالہ ثقافتی قدروں کو ادبی سطح پر پیش کرتا ہے۔ اردو زبان کی تحقیق اور تنقید میں خدمات انجام دے رہا ہے۔ عصری اور علاقائی افکار کو لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ نئے لکھاریوں اور ادیبوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور مستند ادباء کی نگارشات بھی لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ "(۳)

رسالہ "قومی زبان" نے اگرچہ ابتدا تو محض انجمن کی روداد کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے سے کی تھی لیکن جلد ہی یہ ایک ادبی تنقیدی پرچے کے طور پر ادبی دنیا میں ظاہر ہوا۔ آج بھی اس میں انجمن ترقی اردو، پاکستان کی مطبوعہ کتب کی فہرستیں اور انجمن ترقی اردو پاکستان کی سرگرمیوں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ مجلہ ہمیشہ سے غیر جانبداری کا ثبوت دیتے ہوئے اردو زبان و ادب کی خدمت میں کوشاں ہے۔ آج تک ادبی مزاج قائم رکھتے ہوئے اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس مجلے کی ایک ساکھ ہے اور قارئین کی ایک بڑی تعداد اس کی مستقل گاہک ہے۔ لوگوں کے گھروں تک یہ محکمہ ڈاک کے ذریعے ہر ماہ آسانی سے پہنچ جاتا ہے۔

تحقیقی مضامین کی اشاعت کے علاوہ اس رسالے نے دو منفرد قسم کے ادبی سلسلے شروع کیے۔ ان میں سے ایک "رفتارِ ادب" اور دوسرا "گردوپیش" ہے۔ "رفتارِ ادب" میں اردو ادب میں چھپنے والی کتب کا تعارف کرایا جاتا ہے بلکہ ان پر تبصرہ بھی

کیا جاتا ہے۔ تبصرہ نہایت ہی غیر جانبداری سے کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس رسالے کا سلسلہ "گردوپیش" قارئین کو ادبی واقعات اور سرگرمیوں سے آگاہی دیتا ہے۔ اس میں نہ صرف پاکستان بلکہ دنیائے اردو میں اردو زبان وادب کے سلسلے میں ہونے والے اہم واقعات سے قارئین کو روشناس کرایا جاتا ہے۔ یعنی گردوپیش کی مدد سے پاکستانی اردو زبان وادب کی ادبی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔ گردوپیش کی خاص بات یہ ہے کہ نہ صرف ادبی خبریں پیش کی جاتی ہیں بلکہ ان پر تبصرہ بھی کیا جاتا ہے۔

۱۹۴۸ء میں جاری ہونے والے اس مجلے نے اقبال شناسی کی روایت کو مستحکم انداز میں آگے بڑھایا۔ علامہ اقبال کی پیدائش اور وفات کے مہینوں یعنی اپریل اور نومبر میں "بیادِ اقبال" کے نام سے اقبال نمبر باقاعدگی سے شائع کر رہا ہے۔ ان کے مضمون نگاروں میں پاکستان اور دنیا کے ممتاز اقبال شناسوں کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں فرمان فتح پوری، پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر، فتح محمد ملک، پروفیسر ڈاکٹر شاہد اقبال کامران، ڈاکٹر نورینہ تحریم بابر، ڈاکٹر یوسف خشک، پروفیسر شاہدہ یوسف، ڈاکٹر وسیم الدین، این میری شمل، رؤف پاریکھ، سحر انصاری، ڈاکٹر بصیرہ عنبرین اور ڈاکٹر معین الدین عقیل کے نام شامل ہیں۔ جنوری ۲۰۰۱ء سے لے کر دسمبر ۲۰۱۸ء تک مضامین کی ایک کثیر تعداد منظر عام پر آئی۔ جن میں سے چند ایک کا مختصر جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

انجمن ترقی اردو پاکستان اپنی ابتدا ہی سے زبان وادب کی ترقی وترویج کے لیے کوشاں ہے۔ "قومی زبان" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اگر اس رسالے کے مضامین کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس نے ہمیشہ اردو زبان وادب کے اعلیٰ معیار کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ روایت سازی بھی کی۔ اس نے نہ صرف نظریہ پاکستان کی حفاظت کی بلکہ اس کی نظریاتی حدود کی پاسبانی کے فرائض بھی انجام دیے۔ تحریک پاکستان کے عظیم راہنما جیسے قائداعظم محمد علی جناح، علامہ محمد اقبال، بابائے اردو مولوی عبدالحق، سرسید احمد خان اور دوسرے بہت سے مشاہیر کی تعلیمات کو عام کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ انجمن ترقی اردو کے اس مجلے نے اقبال شناسی کی بڑی مضبوط روایت کو تھامے رکھا ہے۔ جنوری ۲۰۰۰ء سے دسمبر ۲۰۱۸ء تک علامہ اقبال کے فکر وفن پر کل ۲۰۳ مضامین چھپے ہیں۔ اگر اردو زبان کے دوسرے مجلے دیکھیں جائیں تو ان کے اعتبار سے یہ تعداد بہت زیادہ ہے۔ علامہ اقبال کی پیدائش اور وفات کے مہینوں میں "بیادِ اقبال" کے نام سے "اقبال خاص نمبر" چھاپنے کی بھی روایت ہے۔ جس میں ملک کے نامور محققین اور ناقدین کے مضامین چھپتے ہیں۔

ڈاکٹر شاہد اقبال کامران کے چھ مضامین منظر عام پر آئے۔ ان میں "اقبال کا نظریہ علم"، "اقبال کی اردو شاعری اور اکیسویں صدی"، "تصوف پر اقبال کے انتقاد کا مطالعہ"، "اقبالیات میں تحقیق مسائل اور امکانات"، "اقبال کے تصورِ ملت کی انفرادیت اور جامعیت"، "مثنوی اسرارِ خودی کی اشاعتِ دوم" اور "تصوف اور اقبال" ہیں۔ مصنف علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں اقبالیات کے شعبے کے انچارج ہیں اور عرصہ دراز سے اقبالیات پر تحقیق کروا رہے ہیں۔ ان کا مضمون "اقبالیات میں تحقیق مسائل اور امکانات" ان کے اپنے تجربات کا نچوڑ ہیں۔ اس مضمون میں لکھتے ہیں کہ جب ہم مجموعی طور پر اقبال اور فکر اقبال کے بارے میں اپنے اجتماعی قومی رویے کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہمارے ہاں اقبال شناسی کے نام پر اقبال فروشی کو بے حد فروغ حاصل ہوا ہے۔ دانشورانہ اور محققانہ سطح پر اقبال فہمی میں سب کچھ ہوتا ہے سوائے اقبال کے۔ ان کا مضمون "مثنوی اسرار خودی کی اشاعتِ دوم" میں مثنوی کی اشاعتِ دوم میں ہونے والی تبدیلیوں پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں کہ وہ کیا حالات تھے جن کے تحت اقبال نے اس میں تبدیلی کی اور وہ تبدیلی کس نوعیت کی تھی۔ تصوف کے بارے میں مضامین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اقبال نے متصوفانہ ماحول میں آنکھ کھولی۔ ان کا اپنا مزاج بھی تصوف کو پسند کرتا تھا۔ لیکن ان کے نزدیک تصوف کے خالص معنی تھے۔ ان کا تصوف قوت

پیدا کرنے والا اور عمل پر اکسانے والا تھا۔ اقبال کے جملہ فلسفیانہ افکار کا محوری نقطہ حرکت و عمل سے ہے۔ اقبال اس تصوف سے خفا ہوئے جو بے عملی اور سکوت پیدا کرتا تھا۔

ڈاکٹر نورینہ تحریم بابر کا مضمون "اقبال کی بے مثال نظم مسجد قرطبہ، ایک مطالعہ "چھپا۔ اس میں مصنفہ نے اس نظم کی فکری اور فنی خوبیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ یہ نظم اقبال ہی کا شاہکار نہیں بلکہ ساری اردو شاعری کا شاہکار ہے۔ اردو شاعری میں اس نظم کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا تو بھی ہماری شاعری دنیا کی صفِ اول کی شاعری میں ایک ممتاز مقام حاصل کر سکتی تھی۔ مسجد قرطبہ شعریت، رومانویت، حقیقت پسندی، رمزیت اور ایمائیت کا ایک ایسا حسن امتزاج ہے کہ ہماری ساری اردو شاعری روز اول سے آج تک اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

سید شیراز علی زیدی کے تین مضامین "فلسفہ خودی و بے خودی اور معاشرتی انقلاب"، "یورپ میں قیام کے دوران اقبال کے فکری انقلابات "اور "مغرب کے سیاسی نظام اقبال کی نظر میں "شائع ہوئے۔ ان میں لکھتے ہیں کہ قیامِ یورپ نے اقبال کے فکری ارتقا میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ مغربی فلسفے کے عمیق مطالعے نے اقبال کو اس نتیجہ پر پہنچایا کہ تمام خوفناک امراض دوئی کے تصور سے جنم لیتے ہیں۔ اس دوئی کے نتیجے میں انسان ایک طرف سیاست کی آڑ میں ظلم واستحصال کی طرف راغب ہوتا ہے اور دوسری طرف روحانی سکون کی تلاش اسے زندگی سے فرار اور رہبانیت کی راہ سجاتی ہے لیکن اقبال نے دیکھا کہ حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ طیبہ اس دوئی کی نفی کرتی ہے۔ خودی اور معاشرتی انقلاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تمام کائنات میں خودی کی کارگزاری ہے اور انسان بھی اسی خودیِ مطلق سے وابستہ ایک ذات اور انا ہے۔ جس کا فرض ہے کہ وہ اپنی حیات کا ثبوت پیش کرے۔ خودی کا اثبات انسان کے لیے ضروری ہے۔ خودی تخلیق و عمل کا وہ نظام ہے جو کہ فرد کے اندر پوشیدہ ہے۔

پروفیسر شاہدہ یوسف کے چار مضامین "اقبال کی انسان دوستی"، "اقبال کے تفکر کی معاشی و عمرانی جہتیں"، "اقبال کی شاعری میں فطرت کا وژن "اور "پیامِ مشرق کی نظم 'تسخیر فطرت' کی ڈرامائی ہئیت "منظر عام آئے۔ اقبال کی انسان دوستی کے بارے میں لکھتی ہیں کہ علامہ اقبال کی انسان دوستی مادی غایات حیات سے زیادہ روحانی اور انسانی اوصاف کے ارتقا کی جدوجہد سے عبارت ہے۔ وہ انسانی اوصاف سے بے بہرہ مادی ترقی کو فساد انگیز سمجھتے ہیں۔ تکمیلِ انسانیت کا خواب ہی ان کی انسان دوستی کا سب سے بڑا منشور ہے۔ "اقبال کے تفکر کی معاشی و عمرانی جہتیں "میں لکھتی ہیں کہ علامہ اقبال کو احساس تھا کہ معیشت کے استحکام کا براہ راست تعلق معاشرتی رویں، اقدار اور طرز تمدن سے ہے۔ معاشی صورت معاشرتی رویوں کا راستہ متعین کرتی ہے۔

ڈاکٹر سید وسیم الدین کے پانچ مضامین "اقبال کی زندگی کے اہم پہلو"، "تحریکِ آزادی میں اقبال اور قائداعظم کے خطوط کی اہمیت"، "خطبہ الہ آباد کا تحقیقی مطالعہ "، "اقبال کی تصانیف کا مطالعہ "اور "کتاب 'اقبال اور عشقِ رسولؐ' کا مطالعہ " شائع ہوئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کی زندگی کا روشن ترین پہلو حبِ رسول ﷺ کی دولت سے مالا مال ہے۔ ایک دوسرے مضمون میں لکھتے ہیں کہ قائداعظم محمد علی جناح کے نام علامہ اقبال کے خطوط میں جہاں ایک طرف علامہ کی سیاسی فکر نہایت مربوط انداز میں اظہار پاتی ہے وہاں ان کا قائداعظم کی قیادت پر اعتماد اور مسلمانوں کے مسائل کے سلسلے میں ان کی بے چینی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

نسیم عباس چوہدری کا مضمون "قرۃ العین حیدر کی نظر میں علامہ اقبال "اپریل ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں مصنف نے قرۃ العین حیدر کی اقبال شناسی پر بحث کی ہے۔ مصنف نے قرۃ العین حیدر کے حوالے سے لکھا ہے کہ علامہ اقبال کے افکار سے تمام مکاتبِ فکر کے لوگ مستفید ہوتے ہیں اور زندگی کے مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔ اسی مضمون میں وہ قرۃ العین

حیدر کے حوالے سے لکھتے ہیں "۱۹۳۴ء میں لاہور میں ایک فلم بن رہی تھی۔ اس کی کہانی علامہ اقبال نے لکھی تھی۔ فلم کا نام افغان شہزادہ اناؤنس ہوا تھا۔ خواجہ حسن نظامی اس کے ڈائیلاگ رائٹر تھے"۔ علامہ اقبال کے فلمی کہانی نویس ہونے کے بارے میں معروف اقبال شناس پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے اس بات کی تردید کی اور فرمایا کہ اقبال کے فلمی کہانی نویس ہونے کے بارے میں ڈاکٹر جاوید اقبال نے "زندہ رود" اور نہ ہی کسی اور اور سوانح نگار نے اقبال کے فلمی کہانی نویس ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ لہٰذا اس بات کو درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

این میری شمل کے مضمون "کلامِ اقبال میں تصورِ ابلیس" کا اردو ترجمہ ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے کیا جو اس رسالے میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں مصنفہ اقبال کے تصورِ ابلیس کے بارے میں بتاتی ہیں کہ اقبال کے کلام میں ابلیس ایک صفت کے طور پر آیا ہے۔ اقبال اس کو اپنے کلام میں انسانی ارتقا کے نمائندے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک ابلیس انسان کا دشمن ہے۔ وہ ایک ایسی قوت ہے جس کے خلاف جدوجہد کر کے انسان نمو حاصل کر سکتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم اس قوت کو انتشار کی تاریک تانیثی طاقت سمجھیں۔　　ڈاکٹر ایوب صابر کے دو مضامین "کیا اقبال کا تصورِ عشق غلط اور مبہم ہے؟" اور "اقبال متکلم ہیں یا فلسفی بھی"۔ اقبالیات میں پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ یہ دونوں مضامین بنیادی طور پر اقبال کے افکار پر مختلف محققین کے کیے گئے اعتراضات کے جوابات ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اقبال نہ عقل کی غیر مشروط حمایت کرتے ہیں نہ عشق کی۔ عقل شر کی آلہ کار ہو تو اقبال اس کے مخالف ہیں اور عشق غلط نصب العین کے ساتھ ہو تو اقبال عشق کی مخالفت کرتے ہیں۔ کچھ نقادوں کا خیال ہے کہ اقبال نے تصورِ عشق برگساں سے مستعار لیا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر کے مطابق درست نہیں ہے بلکہ اقبال کا تصورِ عشق اور دوسرے سب افکار کا سرچشمہ قرآن و سنت ہے۔ اسی طرح دوسرے مضمون میں علی عباس جلالپوری کے اعتراض کہ اقبال متکلم تو ہیں فلسفی نہیں ہیں۔ ڈاکٹر ایوب صابر نے اپنے طویل مضمون میں ثابت کیا ہے کہ اقبال متکلم بھی ہیں اور ایک عظیم فلسفی بھی ہیں۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل کے دو مضامین "ہمارا نصابِ تعلیم اور فکرِ اقبال کے تقاضے" اور "اسرار خودی، نکلسن کے انگریزی ترجمے کی تدوینِ نو کا ایک مطالعہ" شائع ہوئے۔ "ہمارا نصابِ تعلیم اور فکرِ اقبال کے تقاضے" میں لکھتے ہیں کہ اس وقت ہمارے تعلیمی نصاب میں جہاں جہاں علامہ اقبال کی شخصیت اور ان کا پیغام اور ان کی فکر کو، چاہے کسی پیرائے میں پیش کرنے کی طرف توجہ دی گئی ہے۔ وہ پورے طور پر قابلِ اطمینان نہیں اور ایسی کوششیں ہمارے نصابوں میں فکرِ اقبال کی شمولیت کے تقاضوں کو کماحقہ پورا نہیں کرتیں۔ اسی طرح "اسرار خودی، نکلسن کے انگریزی ترجمے کی تدوینِ نو کا ایک مطالعہ" اقبال نے اپنی فکر اور اپنے فلسفے کا ایک گوشہ ایک مکمل جامعیت کے ساتھ اپنی مثنوی "اسرار خودی" میں سمو دیا ہے۔ اس مثنوی نے اقبال کو ایک شاعر کے ساتھ ساتھ ایک فلسفی کے طور پر بھی متعارف کرایا۔ نکلسن کا ترجمہ اپنی اولین اشاعت ۱۹۲۰ء کے بعد جس پر اقبال نے تصحیح و ترمیم کی۔

پروفیسر آل احمد سرور کا مضمون "اقبال اور اس کے نکتہ چیں" میں مصنف لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال نے کچھ چھوڑا ہے وہ مکمل اور جامع ہے۔ اس کے باوجود ان کے نکتہ چیں ان پر مختلف قسم کے اعتراضات کرتے ہیں۔ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم نئی نسل کو اقبال کے افکار اور تصورات سے آگاہ کریں۔ نئی نسل یہی سمجھتی ہے کہ اقبال کی فکر پرانی ہو گئی جو کہ درست نہیں ہے۔ سید اظفر رضوی کے مضامین "علامہ اقبال اور نوجوان" اور "اقبال کا تصورِ اسلام" شائع ہوئے۔ دونوں مضامین میں مصنف نے مدلل انداز میں ثابت کیا کہ ہمارے نوجوانوں سے علامہ اقبال کو بے حد امیدیں اور توقعات وابستہ تھیں۔ ان کے افکار اور کلام کا زیادہ تر مخاطب نوجوان ہی

تھے۔ دوسرے مضمون میں مصنف نے اقبال کے افکار کی حقانیت کو اسلام کے آئینہ میں پیش کیا ہے کہ کس طرح اقبال کے افکار اور اسلامی نظریات میں مطابقت ہے۔

ڈاکٹر وحید الرحمٰن خان کے دو مضامین "اقبال اور جامی" اور "فیضانِ اقبال کی ایک روشن مثال" میں شائع ہوئے۔ اقبال اور جامی میں لکھتے ہیں کہ جامی اور اقبال میں ایک نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ جامی کا قدم اپنی داخلی دنیا سے باہر نہیں نکلتا۔ وہ پیغمبر ﷺ کے حضور تنہا جانے کے لیے بیتاب ہیں۔ انھیں محبوب کے سوا کسی سے واسطہ نہیں ہے۔ لیکن اقبال پوری امت کو اپنے دامن میں لیے ہوئے حضور ﷺ کے دروازے پر حاضر ہوتے ہیں۔ ان کی دیوانگی میں ادب ملحوظ رہتا ہے۔ اور فریاد میں پوری قوم کی ترجمانی پیش نظر رہتی ہے۔ اسی طرح فیضانِ اقبال کی ایک روشن مثال میں لکھتے ہیں کہ عصر حاضر کے ممتاز شاعر اسلم انصاری کا شعری مجموعہ "فیضان اقبال" ایک ایسی تصنیف ہے جس میں اقبال کی شاعرانہ عظمت کا والہانہ اعتراف کیا گیا ہے۔ یہ مجموعہ اقبال کی فکر کی نئی جہات سامنے لے کر آتا ہے۔ اس مجموعے میں اقبال کے بنیادی افکار کو تخلیقی سطح پر قبول کرتے ہوئے ایک ایسا آئینہ خانہ تعمیر کیا گیا ہے جس میں نئے نئے عکس ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

بشریٰ لطیف کے دو مضامین "اقبال اور اجتہاد" اور "عمرانی نقطہ نظر سے اقبال کا تصور ملت" شائع ہوئے۔ اقبال کے تصور ملت کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ جب ملتِ اسلامیہ کی ہیت ترکیبی کا بنیادی عنصر مذہب ہے تو اس کا لازمی نتیجہ اس کے تمدن کی وحدت اور یک رنگی پر منتج ہو گا۔ ان کے نزدیک محض اسلام پر ایمان لانا کافی نہیں ہے بلکہ ملتِ اسلامیہ کے ہر فرد پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ باطن کو یکسر بدل ڈالے۔ ہمارے آباؤاجداد نے حسن وخوبی سے یہ فرض ادا کیا اور نہ صرف ملت کے تمدن کی یک رنگی کو برقرار رکھا بلکہ اسے کمال حدت تک آراستہ وپیراستہ کیا۔ اقبال کے تصور اجتہاد کے متعلق رقمطراز ہیں کہ اقبال اپنی فلسفیانہ فکر سے اس نتیجے پر پہنچے کہ مستقبل میں اقوام کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ آنے والی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو عہد جدید کے تقاضوں کے مطابق ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ یا اس دور میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل ان کے پاس ہونا چاہئیے۔

ناصر عباس نیر کا مضمون "اقبال اور جدیدیت" نومبر ۲۰۰۷ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اس میں ناصر عباس نیر لکھتے ہیں کہ ہر چند علامہ اقبال نے جدیدیت کی تحریک سے براہ راست تعلق نہیں رکھا۔ تاہم جدیدیت کے بعض تصورات اور علامہ اقبال کی شاعری کے بعض موضوعات میں تقابل دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ جدیدیت کی تحریک تجربہ پسندی، روایت شکنی، تاریکی وجمالیاتی عدم تسلسل جیسے عناصر پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان میں سے چند عناصر کو علامہ اقبال نے قبول کیا اور بعض کو رد کر دیا۔ رشید حسن خان کا مضمون "کلامِ اقبال کی تدوین" منظر عام پر آیا۔ اس مضمون رشید حسن خان لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کے جتنے بھی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں وہ تحقیقی نہیں ہیں۔ ان میں بے شمار اغلاط ہیں۔ سب کے سب نسخوں سے اختلافِ نسخ کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ کسی ایک نسخے پر بھی معاری حواشی وتعلیقات نہیں ہیں۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے علامہ اقبال کے افکار پر تو حواشی لکھے ہیں لیکن جب تدوین متن کے حوالے سے بات کی جائے تو ان غلطیوں اور اختلافِ نسخ کے بارے میں کوئی تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔

ڈاکٹر یار محمد گوندل کے دو مضامین "غالب کا ایک اہم ناقد، اقبال" اور "اقبال، شکوہ اور جوابِ شکوہ" منظر عام پر آئے۔ "غالب کا ایک اہم ناقد، اقبال" میں لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال بتاتے ہیں کہ غالب کے فن کی خوبی کی ہم سری اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک فکر کمال کے درجے تک نہ پہنچ جائے۔ اور نقاد کا تخیل بھی کمال درجے کا ہو۔ اگرچہ دلی اجڑ چکی ہے اور اس کے چپے چپے پر علم وہنر کے چاند اور سورج پڑے ہیں۔ اس میں لاکھوں گوہر پوشیدہ ہیں۔ لیکن غالب جیسا چمک دمک والا موتی

جو زمانے بھر کے لیے باعث ناز تھا، تیرے اندر دفن ہے۔ اسی طرح دوسرے مضمون "اقبال، شکوہ اور جوابِ شکوہ" میں لکھتے ہیں کہ نظم "شکوہ" اور "جوابِ شکوہ" کا بنیادی موضوع مسلمانوں کا تمدنی، معاشرتی اور سیاسی زوال ہے۔ اقبال کے فکر و فن کا محور سیاست ہے۔ انھوں نے جمہوریت، آمریت، ملوکیت، اشتراکیت، وطنیت، قومیت اور سیاسی غلامی اور آزادی کے موضوعات پر اپنی نظم و نثر کے حوالے سے روشنی ڈالی ہے۔

ثناالرحمٰن کے بھی دو مضامین "مشرق و مغرب اقبال کی نظر میں" اور "اقبال اور نطشے" شائع ہوئے۔ اقبال اور نطشے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اقبال کے بعض ناقدین کا خیال ہے کہ اقبال نے مردِ مومن کا تصور نطشے کے فوق البشر سے لیا ہے اور کچھ ناقدین کا خیال ہے کہ اقبال کے مردِ مومن نطشے کے فوق البشر اور رومی کے مردِ کامل کا حسین امتزاج ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم کے نزدیک اقبال کے اندر رومی بھی ہے اور نطشے بھی، کانٹ بھی ہے اور برگساں بھی۔ مشرق و مغرب اقبال کی نظر مضمون میں لکھتے ہیں کہ اقبال کو مغرب میں بھی بہت سی خامیوں کے ساتھ اچھائیاں بھی نظر آئیں۔ انھیں مشرق سے اس بات کا گلہ ہے کہ مغرب تو صرف روحانیت سے بے بہرہ ہے جبکہ مشرقیت تو روحانیت کے ساتھ ساتھ عقلیت سے بھی بے بہرہ ہے۔

حیات نظامی کے تین مضامین "کلامِ اقبال میں فکر انسان کی تلاش"، "اقبال کا تصور عشق" اور "پیغامِ اقبال کی معنویت" شائع ہوئے۔ "کلامِ اقبال میں فکر انسان کی تلاش" میں لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال امن کے متلاشی تھے، جہاں بھی ہو جس شکل میں ہو، وہ انسان کے حالات میں بہتری کے قائل تھے۔ وہ تہذیبی ٹکراؤ، تبدیلی نظام کی کشمکش، اقتدار کی ہوس، طبقاتی الجھنیں، سماجی و معاشی ناہمواریاں، اخلاقی اقدار کی ٹوٹ پھوٹ اور ان حالات سے پیدا ہونے والی شورش سے آزاد معاشرہ دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ "پیغامِ اقبال کی معنویت" میں لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کی شاعری کو ہم سرحدوں میں قید نہیں کر سکتے۔ صرف یہ کہہ دینا کہ وہ ہمارے قومی شاعر ہیں، کافی نہیں۔ جبکہ یہی مطالبہ دوسری قوموں کا بھی ہے کہ وہ ان کے خیالات و افکار سے متاثر ہیں کہ انھیں اپنا قومی شاعر گردانتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کلام میں جو آفاقیت ہے وہ ان کے معاصرین میں کسی میں بھی نہیں ہے۔ ان کا پیغام عالمِ انسانیت کے لیے ہے۔

ڈاکٹر رخسانہ صبا کا ایک مضمون "اقبال اور ضربِ کلیم" چھپا۔ اس میں وہ لکھتی ہیں کہ اگر ضرب کلیم کا تاثر قائم کیا جائے تو واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ شروع کے تین حصوں اسلام اور مسلمان، تعلیم و تربیت اور عورت اور آخری حصے محراب گل افغان کے افکار میں تقریباً تمام موضوعات ایسے ہیں جن میں مردِ مومن کے تصورات، فلسفہ خودی اور اسلامی تشخص کی حفاظت کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ المختصر یہ علامہ اقبال کی فکر کو سمجھنے کے لیے ضرب کلیم کلیدی اہمیت کی حامل ہے۔ پروفیسر سحر انصاری کا ایک مضمون "اقبال اور ہائیڈل برگ" منظر عام پر آیا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اقبال کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی زندگی میں ایسے کئی موڑ آئے جو ان کے فکر و فن پر پوری وسعت اور گہرائی کے ساتھ اثر انداز ہوئے۔ ان میں ایک اقبال کا سفر یورپ بھی تھا۔ یورپ کے سفر میں اقبال کا پہلا قیام انگلستان میں ہوا۔

علامہ اقبال کا تصور عقل و عشق ان کا بنیادی تصور ہے۔ اس پر اس مجلے میں عقل و عشق کے موضوع پر سات مضامین شائع ہوئے اور ایک کتاب "اقبال اور عشق رسولؐ" پر تبصرہ شائع ہوا۔ ان تمام مضامین میں محققین نے اقبال کے تصور عشق پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ خاص طور پر پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر اور ڈاکٹر اشرف کمال نے اقبال کے تصور عشق کو عمرانی سطح پر انسانیت کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر اشرف کمال لکھتے ہیں کہ عشق ایک سعی مسلسل، ایک جدوجہد اور تحرک کا نام ہے۔ انسانی زندگی،

پوری کائنات اور نظامِ عالم اسی تحرک پر قائم ہے۔حیات نظامی لکھتے ہیں کہ ان کی شاعری میں عشق کا استعارہ امید کی کرن بن کر ابھرتا ہے۔

ڈاکٹر محمد آصف اعوان کے پانچ مضامین شائع ہوئے ان میں سے خاص طور پر اقبال کے خطبات پر مضامین بہت زیادہ مدلل بحث کی گئی ہے۔پہلے اور دوسرے خطبے پر مباحث کی گئی ہیں۔اسی طرح ان کا ایک اور مضمون "فکر اقبال میں زندگی کا حرکی اور ارتقائی تصور" میں اقبال کے افکار پر بحث میں لکھتے ہیں کہ اقبال کے مطابق زندگی ہر لحظہ آگے بڑھنے، نئی صورتیں ڈھالنے، نئے انداز اختیار کرنے کا نام ہے۔زندگی مسلسل آگے قدم رکھتی ہے۔ساخت اور شعور کے اعتبار سے انسان حیات کی سب سے اعلیٰ سطح کا نمائندہ ہے۔ان کا ایک اور مضمون "دیباچہ بانگ درا پر ایک نظر" میں مدلل اور تحقیقی انداز میں انھوں نے شیخ عبد القادر کے لکھے ہوئے دیباچے میں کافی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے دو مضامین "دنیائے اسلام اور اقبال" اور "مشرق کے اہلِ فکر و فن پر اقبال کے اثرات" شائع ہوئے۔ دونوں مضامین میں مصنف نے اقبال کے فکر و فن پر سیر حاصل بحث کی ہے۔"دنیائے اسلام اور اقبال" میں لکھتے ہیں کہ اقبال ایک ایسی ہیتِ اجتماعیہ جس کا نام ملتِ اسلامیہ ہے، تبلیغ کرتے ہیں جو نسل و نسب اور ملک و رنگ کے امتیازات کو مٹا کر تمام کائنات کا احاطہ کرتی ہے۔ اسی طرح اپنے دوسرے مضمون میں لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کے معاصرین میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے ان کے اثرات کا برملا اعتراف نہ کیا ہو۔اور ان کے فکر و فن کی داد نہ دی ہو۔صرف اردو فارسی کے مسلمان شاعروں نے نہیں بلکہ غیر مسلموں اور غیر زبانوں کے معاصر شعرا نے بھی ان کے کلام کو سراہا۔ ڈاکٹر سید وسیم الدین کے پانچ مضامین "اقبال کی زندگی کے اہم پہلو"، "کتاب 'اقبال اور عشق رسول' کا مطالعہ،" "تحریک آزادی میں اقبال اور قائداعظم کے خطوط کی اہمیت"، "خطبہ الہ آباد کا تحقیقی مطالعہ" اور " ڈاکٹر اقبال کی تصانیف کا مطالعہ" شامل ہیں۔ان پانچوں مضامین میں مصنف نے فکر اقبال کو وضاحت سے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ قائداعظم اور جناح کے خطوط کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قائداعظم محمد علی جناح کے نام علامہ اقبال کے خطوط میں جہاں ایک طرف علامہ کی سیاسی فکر نہایت مربوط انداز میں اظہار پاتی ہے وہاں ان کا قائداعظم کی قیادت پر اعتماد اور مسلمانوں کے مسائل کے سلسلے میں ان کی بے چینی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔اسی طرح اقبال کی تصانیف کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ انھوں نے آرٹ، کائنات، تمدن، مذہب اور مابعد الطبعیات تصورات کے پیش نظر زندگی کے مسائل بڑی خوش اسلوبی سے سلجھاتے ہیں۔اس امر میں کلام نہیں کا ان کا جذبہ تعمیر صرف خواص کے لیے ہی نہیں عوام کے لیے بھی تھا۔خطبہ الہ آباد کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ خطبہ الہ آباد کے ضمن میں ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ نہ صرف ہندو اور برطانوی حلقوں نے علامہ اقبال کے نظریات پر کڑی تنقید کی بلکہ خود مسلمانوں کے طبقے نے بھی علامہ اقبال کی ایک مسلم ریاست کے قیام کی خواہش کے اظہار کو ناپسند کیا۔

ڈاکٹر غفور شاہ قاسم کے دو مضامین "موجودہ عہد میں کلامِ اقبال کی معنویت" اور "فکرِ اقبال کے تناظر میں تصور قیادت" شائع ہوئے۔"موجودہ عہد میں کلامِ اقبال کی معنویت" میں لکھتے ہیں کہ جس طرح روشنی اور خوشبو کی کوئی حد نہیں ہوتی اس طرح دانائے راز کی شعری آواز جہانوں اور زمانوں کی حدیں عبور کر گئی۔یہی وجہ ہے کہ آج ہم اتنے عرصے کے بعد بھی دور حاضر پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں تو اقبال ہماری ہر نئے دور میں راہنمائی کرتے نظر آتے ہیں۔اگر ہم فرمودات اقبال کے مطابق قرآنی تعلیمات کو اپنی زندگی کے ہر عمل کا راہنما بنالیں تو دور حاضر ایک دفعہ پھر ہماری کامرانی کا عین گواہ بن جائے گا۔اقبال کے تصور قیادت کے بارے میں لکھتے ہیں

کہ علامہ اقبال کے مطابق بالغ نظر قیادت زمان و مکاں کی اسیر نہیں ہوتی۔ اس کی سوچ زمان و مکان سے دور کا سوچتی ہے۔ حالات کی نزاکت کو حکمت کی نفاست سے حل کر لینے کا نام قیادت ہے۔ کسی بھی قوم کے لیے ایسی قیادت رب کائنات کا انعام ہوتی ہے۔ جو اس کے وجود کو نئی شناخت عطا کرتی ہے۔ میر کارواں کائنات کے افق پر ایک روشن ستارے سے کم نہیں ہوتا۔

رابعہ سرفراز کے چار مضامین "اقبال کا نظریہ فن"، "پیامِ مشرق کا مقدمہ"، "کلامِ اقبال میں فکری و فنی ہم آہنگی"، "اقبال کے اجتہادی تصورات" اور "اقبال اور ضربِ کلیم" شائع ہوئے۔ کلام اقبال میں فکری ہم آہنگی میں لکھتی ہیں کہ علامہ اقبال کی فکری اور فنی ہم آہنگی ادب میں روایت اور انفرادیت کے باہمی ربط کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے صحیح معنوں میں مکمل ذمہ داری کے ساتھ آفاقی شاعری کی۔ ان کے کچھ ناقدین نے ان کی شاعری کے فکر و فن کو ایک دوسرے سے الگ کر کے پیش کیا ہے۔ جب کہ ان کے کلام کے یہ دونوں اجزا اکائی کی صورت میں مربوط ہیں۔ ان کے نظریہ فن کے بارے میں لکھتی ہیں کہ علامہ اقبال فن کو زندگی کا معاون سمجھتے ہیں اور اسے افادیت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ وہ ایسے فن کے شدید مخالف ہیں جس سے قوم پر مردنی چھا جائے اور جو انسان کے قوائے عمل کو مضمحل کر دے۔ تصور اجتہاد کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ اقبال کے نزدیک اجتہاد کا منصب کسی فرد واحد کی بجائے کسی مستقل قانون ساز اجماعی ادارے کے سپرد کر دیا جائے۔ مسلمان ملکوں میں ملوکیت کے خلاف جذبہ پرورش پا رہا ہے۔ اور مختلف مقامات پر قانون ساز مجالس قائم ہیں۔ موجودہ حالات میں اگر اجتہاد کا کام افراد کی بجائے ان مجالس کے سپرد کر دیا جائے تو یقیناً ہمارے قانون کے ارتقا کا باعث ہو گا۔

ڈاکٹر سلیم اختر کے دو مضامین "عصری صورت حال اور اقبال" اور "مسلم ممالک میں اقبال شناسی کی روایت" شائع ہوئے۔ عصری صورت حال اور اقبال میں لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال نے خیالات میں انقلاب پیدا کرنے کے لیے دو طریقے اپنائے۔ ایک اپنا فلسفہ حیات اور دوسرا اس فلسفہ حیات کے مزاحم عناصر پر تنقید جیسے ملّا، خانقاہی، سرمایہ داری، طرز کہن، جاگیر داری اور سب سے بڑھ کر فکر و نظر کی غلامی۔ علامہ اقبال شعورِ زیست کے شاعر تھے۔ فکرِ اقبال کا یہ اعجاز ہے کہ بدلے ہوئے سیاسی حالات، متغیر سیاسی صورت حال، جدید نصابی تعلیم اور عمرانی اداروں میں زوال کے باوجود بھی ان کے افکار کی صداقت مسلمہ ہے۔ صابر حسین جلیسری کے کل چھ مضامین منظر عام پر آئے۔ ان میں "خودی، فکر اقبال اور حکمتِ قرآن" میں اقبال کے تصور خودی اور اس کے مآخذ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کی اس روح کو سمجھنا چاہیے جس کا ادراک صرف اسلام اور قرآن کے اساسی نکات فراہم کرتے ہیں۔ حیات انسانی میں خودی کی نشو نما حیات انسانی کا ارتقائی سفر ہے۔ اسی طرح ایک اور مضمون "اقبال ترجمانِ حقیقت اور شاعرِ دینِ فطرت" میں لکھتے ہیں کہ اقبال کے نزدیک وہ علم، عقل اور فلسفہ مردود ہے جو عمل کی تحریک پیدا نہ کرے۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح تخلیقِ کائنات کو لامحدود کوششوں کی ضرورت ہے۔ انسان کو کائنات پر چھا جانا چاہیے نہ کہ اپنی سرگرمیوں کو اپنی ذات تک محدود کر لے۔

ڈاکٹر محمد علی صدیقی کے تین مضامین "ن م راشد اور اقبال"، "علامہ اقبال اور قرۃ العین طاہرہ" اور "اقبال اور حلاج" منظر عام پر آئے۔ تینوں مضامین نہایت مدلل انداز میں لکھے گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ منصور حلاج ایک بڑے شاعر تھے۔ انا الحق کا نعرہ مستانہ انھوں نے ہی لگایا تھا اور اس کے بعد پوری سزا سہی تھی۔ وہ شہید ہو کر جاوداں ہو گئے۔ قرۃ العین طاہرہ اپنی متعین راہ کی صداقت پر جان قربان کرنے والی لازوال ہستی تھی۔ خوبصورت، خوب سیرت، اس کے حسن نے اپنے عشق کو لازوال روحانیت بخش دی

تھی۔ اقبال اور ن۔ م۔ راشد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اقبال اور ن۔ م۔ راشد میں ایک اہم قدر مشترک ہے اور وہ ہے مغربی سامراج کے تہذیبی اثرات کے خلاف رد عمل۔ ڈاکٹر بصیرہ عنبرین کے تین مضامین اقبال کی تلمیحات اور ایک مضمون "اقبال اور قومی زندگی" کے موضوع پر چھپے۔ مصنفہ نے کلامِ اقبال میں تمام تلمیحات کی گروپ بندی کی ہے اور ان پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ اقبال کے ابتدائی نثری مضامین میں ایک مضمون "اقبال اور قومی زندگی" بھی ہے۔ جس میں اقبال کے افکار کی واضح جھلک نظر آتی ہے۔ اس مضمون میں اقبال کے معاشی نظریات پر روشنی ڈالی ہے۔

ڈاکٹر خالد ندیم کے چار مضامین "علامہ اقبال اور محمد اسد کے فکر و روابط"، "علامہ اقبال کے ایک ناقد: اختر حسین رائے پوری"، "اقبال اور اقبالیات: ایک مطالعہ" اور "علامہ اقبال: مسائل و مباحث" اس مجلے میں چھپے۔ یہ چاروں مضامین مصنف کی محققانہ جستجو اور کاوش کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ "اقبال اور اقبالیات: ایک مطالعہ" اور "علامہ اقبال: مسائل و مباحث" کتب پر تبصرہ ہیں۔ ڈاکٹر خالد ندیم نے مبصر کے طور پر ان کتابوں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے تین مضامین میں دو مضامین "اقبالیات ۲۰۱۷ء: چند جھلکیاں" اور "اقبالیات ۲۰۱۸ء: نئی کتب کا تعارف" زیادہ اہم ہیں۔ مصنف معروف اقبال شناس ہیں۔ ان مضامین کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے دنیا بھر میں اقبال پر چھپنے والی کتب پر نظر رکھی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف جامعات میں چھپنے والے مقالہ جات بھی ان کی نظر میں ہیں۔ ان مضامین میں مصنف نے مدلل انداز میں ان کا معیار قائم کیا ہے اور ان دونوں سالوں میں اقبالیات میں چھپنے والی کتب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔

پروفیسر شفیق عجمی کے دو مضامین "پاکستان میں اقبال شناسی" اور "سابق سویت یونین میں اقبالیاتی تحقیق" منظر عام پر آئے۔ پاکستان میں اقبال شناسی کے حوالے سے مصنف نے پاکستان میں اقبالیات کے حوالے سے تحقیقات کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ اقبال کے افکار اور حیات پر چھپنے والی کتب کا جامع تبصرہ ملتا ہے۔ اسی طرح مصنف نے سابق سویت یونین میں اقبالیات پر ہونے والی تحقیق کا بھی اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ سابقہ سویت یونین میں بھی مغربی ممالک کی طرح اقبال شناسی کی روایت موجود ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مغربی دانشوروں کے برعکس روس میں افکار اقبال کو ایک خاص تناظر میں دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اعظم نوید کے پانچ مضامین "علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد۔ برصغیر کی مسلم سیاست کی اہم دستاویز"، "مغرب کا نظریاتی، ثقافتی اور سیاسی غلبہ اور اس سے بچاؤ"، "اقبال اور اسلامی تصورات"، "اقبال کا تصور عظمتِ انسانی" اور "مثالی معاشرہ تصور خودی کی روشنی میں" شائع ہوئے۔ "مغرب کا نظریاتی، ثقافتی اور سیاسی غلبہ اور اس سے بچاؤ" میں تحریر کرتے ہیں کہ اقبال نے اپنے اردو اور فارسی کلام میں تہذیبِ مغرب کے خلاف تسلسل اور تواتر کے ساتھ اظہار رائے کیا ہے اور یہ سلسلہ آخر دم تک قائم رہا۔ "اقبال کا تصور عظمتِ انسانی" میں لکھتے ہیں کہ مثنوی اسرارِ خودی میں اقبال مرد کامل کو نائبِ حق اور کئی دوسرے القابات سے نوازتے ہیں۔ پیامِ مشرق میں دو نظمیں عظمتِ انسانی کے بارے میں ہیں۔ ایک خدا اور انسان کے درمیان گفتگو ہے اور دوسری آدم کی تخلیق کے بارے میں ہے۔ انسان کی فضیلت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ اس کی فطرت کو فطرتِ الٰہی ٹھہرایا گیا ہے۔ اقبال کے ہاں "انسانِ کامل" کے

متعلق جابجا اشارے ملتے ہیں۔ اسلام نے انسانی کمال اور فضیلت کے اصول کو تسلیم کیا ہے۔" مثالی معاشرہ تصورِ خودی کی روشنی میں "میں لکھتے ہیں کہ اقبال کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کمال کے درجے تک پہنچنا چاہے تو اسے اس کمال کی ارتقائی منزلوں کو طے کرنے کے لیے ایک مثالی معاشرے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے باشعور، خوددار اور اخلاقی قدروں پر مبنی ملت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ملت اقبال کے نزدیک ملتِ اسلامیہ ہے۔ اقبال کے خطبہ الہ آباد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ علامہ اقبال کی سیاسی بصیرت اور روشن ضمیری کا واضح ثبوت ہے کہ جو تجویز مسلمانوں کی طرف سے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور کی صورت میں منظر عام پر آئی اسے انھوں نے ۱۹۳۰ء میں پیش کر دیا تھا۔ جو اسلامی مملکت پاکستان کے نام سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء میں معرض وجود میں آئی اس کا خاکہ ان کے ذہن میں سترہ سال پہلے موجود تھا۔

ڈاکٹر وزیر آغا کا ایک مضمون "اقبال جدید اردو نظم کا پیش رو" چھپا۔ اس میں ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں کہ یہ فی الحقیقت اقبال کی نظم ہی کا فیضان ہے۔ انھوں نے یورپی زندگی میں مشین کے بڑھتے ہوئے تسلط اور مشرق پر مغربی تہذیب کی بڑھتی ہوئی یلغار کے پیش نظر فرد اور معاشرے کی آویزش کا ادراک کر لیا تھا۔ اقبال کے معتدل اور متوازن رویے نے جدید اردو نظم پر اپنے اثرات کچھ یوں مرتسم کیے کہ نظم لکھنے والوں نے مادی جدلیات کو عبور کر کے کائناتی جدلیات کا ادراک کر لیا تھا۔ افتخار شفیع کے دو مضامین "مقائسہ ارمغان حجاز، فارسی" اور "اقبالیات میں ایک نئی تحقیق" منظر عام پر آئے۔ مصنف لکھتے ہیں کہ اقبال کی تصانیف کو متنی تحقیق کے ذریعے غلطیوں سے پاک کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ متنی تحقیق کے دوران اس کی تصحیح اور صحت خاص طور پر بہت ضروری ہوتی ہے۔ اس کے بغیر معتبر اور مستند تحقیق ممکن نہیں ہے۔ اقبال کے عہد سے پہلے کے نسخوں میں اختلافِ نسخ معمولی بات ہے۔ کاتب حضرات کی غلطیاں اور اصلاحیں روزمرہ کا معمول تھیں۔

اُردو زبان وادب کی خدمات کے سلسلے میں "مجلہ قومی زبان" ہمیشہ پیش پیش رہا۔ اردو زبان کے محققین وناقدین کے مضامین کثرت سے چھپتے رہتے ہیں۔ ان میں شوکت سبزواری، ڈاکٹر سہیل بخاری، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر فرمان فتح پوری وغیرہ شامل ہیں۔ اُردو ادب کے تنقیدی مضامین میں مرزا غالب، علامہ اقبال، بابائے اردو مولوی عبدالحق وغیرہ پر تنقیدی مضامین اس کی روایت کا حصہ ہیں۔ اگر علامہ اقبال کی شاعری اور ان کی فکر وفلسفے کے متعلق مضامین کی روایت کو دیکھا جائے تو اس رسالے نے ہمیشہ سے ہی ان کی تعلیمات کو فوقیت دی۔ ماہرین اقبالیات کے مضامین کی کثرت اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ انجمن ترقی اردو علامہ اقبال کی فکر کی اہمیت سے نہ صرف واقف ہے بلکہ اسے فوقیت بھی دیتی ہے۔

"قومی زبان" نے اپنی ابتدا سے جو پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا تھا، اسے ہمیشہ ثابت قدمی سے نبھایا۔ تحریک پاکستان کی نظریاتی حدود کی پاسبانی سے لے کر پاکستان کے زبان وادب کی ترویج میں اس کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ فکرِ اقبال کو لوگوں تک پہنچانے میں اس نے ہمیشہ اہم کردار ادا کیا۔ علامہ اقبال پر تنقیدی مضامین چھاپنے میں اس نے نہ صرف

کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا بلکہ خصوصی نمبر شائع کرنے میں بھی پیش پیش رہا۔ اس کے مدیران نے ہمیشہ فکر اقبال کو فوقیت دی۔ "قومی زبان" رسالے نے علامہ اقبال کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ راؤ، روشن آرا، مجلاتی صحافت کے ادارتی مسائل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء، ص:۳۱

۲۔ سدید، انور، پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء، ص:۱۴۶

۳۔ جمیل الدین عالی، (اداریہ)، مشمولہ ماہنامہ "قومی زبان"، جلد ۵۴، شمارہ نمبر ۴، انجمن ترقی اردو کراچی، اپریل ۱۹۸۴ء، ص:۲


### References in Roman Script


1. Rao, Roshan Ara, "Mujallati Sahafat kay Idarti Masail", Muqtadara Qomi Zaban, Islamabad, 1989, p. 31
2. Sadeed Anwar, "Pakistan Main Adabi Rasail ki Tareekh", Academy Adbiat Pakistan, Islamabad, 1992, p.146
3. Jameel Uddin Aali, "Idaria", Mashmoola "Qomi Zaban", Jild No 54, Shumara No 4, Anjaman Taraqi Urdu Karachi, April 1984, p.2